AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

فہمیدہ ریاض کے ناول "قلعہ فراموشی"کا فنی اور فکری جائزہ

"A TECHNICAL AND INTELLECTUAL ANALYSIS OF FAHMIDA RIAZ'S NOVEL QILA FARAMOSHI"

نسیم منیر
جز وقتی لیکچرر، جامعہ اوکاڑہ، پنجاب، پاکستان
Naseem Munir
Visiting Lecturer, University of Okara, Punjab, Pakistan, naseemmunir1989@gmail.com
Corresponding Author Email: naseemmunir1989@gmail.com

Abstract

This article presents a cultural, social, and intellectual analysis of Fahmida Riaz's novel Qila Faramoshi. *The study highlights that the novel is not merely a creative narrative but also a reflection of the changing civilization of the subcontinent, class division, feudal attitudes, the social status of women, and the decline of human relationships. By connecting the perspectives of the past and present, the novelist demonstrates how power, wealth, tradition, and social oppression influence human lives. The article particularly emphasizes the exploitation of women, male dominance, class inequality, and the collapse of social values.*

Through the characters of the novel, it becomes evident that outdated traditions and powerful social classes exploit weak individuals, especially women, for their own desires and interests. Fahmida Riaz has portrayed such social attitudes in a realistic manner which outwardly appear to be part of civilization, yet internally give rise to oppression, injustice, and cruelty. Overall, the article establishes that Qila Faramoshi *is a significant novel that effectively represents social consciousness, cultural disintegration, and the decline of human values.*

Keywords: *Qila Faramoshi, Fahmida Riaz, Cultural Consciousness, Class Inequality, Exploitation of Women*

خلاصہ

یہ مضمون فہمیدہ ریاض کے ناول **"قلعہ فراموشی "** کا تہذیبی، سماجی اور فکری جائزہ پیش کرتا ہے۔ مضمون میں واضح کیا گیا ہے کہ ناول صرف ایک تخلیقی بیانیہ نہیں بلکہ برصغیر کی بدلتی ہوئی تہذیب، طبقاتی تقسیم، جاگیردارانہ رویوں، عورت کی سماجی حیثیت اور انسانی رشتوں کے زوال کا آئینہ بھی ہے۔ مصنفہ نے ناول میں ماضی اور حال کے تناظر کو جوڑ کر یہ دکھایا ہے کہ کس طرح طاقت، دولت، روایت اور سماجی جبر انسانی زندگیوں کو متاثر کرتے ہیں۔ مضمون میں عورت کے استحصال، مردانہ بالادستی، طبقاتی ناانصافی اور سماجی اقدار کی شکست کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔

ناول کے کرداروں کے ذریعے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ فرسودہ روایات اور طاقت ور طبقات کمزور انسانوں، خاص طور پر عورتوں، کو اپنی خواہشات اور مفادات کے تحت استعمال کرتے ہیں۔ فہمیدہ ریاض نے حقیقت نگاری کے انداز میں ایسے معاشرتی رویوں کو پیش کیا ہے جو بظاہر تہذیب کا حصہ دکھائی دیتے ہیں مگر اندرونی طور پر ظلم، جبر اور ناانصافی کو جنم دیتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مضمون ثابت کرتا ہے کہ **"قلعہ فراموشی "** ایک اہم ناول ہے جو سماجی شعور، تہذیبی شکست و ریخت اور انسانی اقدار کے زوال کو مؤثر انداز میں پیش کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: قلعہ فراموشی، فہمیدہ ریاض، تہذیبی شعور، طبقاتی ناانصافی، عورت کا استحصال

" قلعہ فراموشی "کا فنی اور فکری جائزہ

فہمیدہ ریاض کا ناول " قلعہ فراموشی " تاریخی ناولوں میں سے اہم ترین ناول ہے۔ تاریخ کو بیان کرنے کی روایت ہمیشہ سے چلی آرہی ہے جس میں کئی اصناف تھی مثلاً مثنوی، داستان، مضمون، افسانے لیکن ناول کی ابتدا سب سے پہلے عبدالحلیم شرر نے کی۔ اس وقت معاشرہ کئی مسائل سے دوچار تھا۔ اس وقت انہوں نے اپنے

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com
Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

تخیل کے ذریعے معاشرے کے تمام پہلوؤں سے پردہ چاک کیا اور اسی روایت کو "قلعہ فراموشی" لکھ کر فہمیدہ ریاض نے پھر سے زندہ کیا ہے۔ یہ ناول ایک طبقاتی تقسیم پر مبنی ہے جس میں دو سلطنتیں ہیں جن میں عرب اور سفید قبائل بھی موجود ہیں جنھوں نے معاشرے کے اندر جاہلیت اور گمراہی کے بیج بوئے ہیں۔ اس دور میں لوگ آگ کی پرستش کرتے تھے مٹی کے خدا بناتے تھے۔ بیل اور گائے کو مقدس سمجھتے تھے ان کی پوجا کرتے اس ناول کے نام کا تعارف ملاحظ کیجیے

> "صوبہ خورستان میں ایک مضبوط قلعہ تھا جس کا نام "گیل گرد" ارمینی زبان میں اسے انونیشن کہا جاتا تھا۔ وہاں اس قسم کے سیاسی قیدیوں کو محبوس رکھا جاتا تھا جن کو عوامی فکر اور دشت سے قطعی غائب کرنا مقصد ہوتا، اس کو انوش برد بھی کہتے ہیں۔ جن کے معنی قلعہ فراموشی کے ہیں۔ اس لیے جو لوگ وہاں قید ہوتے تھے ان کا نام لینا، خود قلعہ کا نام لینا بھی ممنوع تھا۔"(1)

تاریخ والے اس ناول میں تہذیب وتمدن کو نہیں بلکہ ایسی ثقافت کی نمائندگی کی گئی ہے جو انسانی معاشروں کے اندر پائے جانے سماجی رویے اور اصولوں کے ساتھ کسی قوم یا انسانی گروہ کے طرز زندگی، عقائد وروایات، فنون، اخلاقیات، زبان اور رسم ورواج کا مجموعہ ہے جس میں سماج کے رویوں، علم اور اقدار کو شامل کیا جاتا ہے جو ایک نسل سے کئی نسلوں میں منتقل ہوتا ہے جس کے اقدار میں معاشرہ مجموعی طور پر بندھا ہوتا ہے۔ اس تہذیب وتمدن کی روایات کو ایک ناول میں بیان کیا گیا ہے۔ اس دور کی روایات اور اخلاق شائستگی ہے جس میں رہن سہن کے مادی طور طریقے تعمیرات اور سماجی نظم وضبط کا نچوڑ ہے جو اس تہذیب کے ابتدائی اثرات ہیں۔ وہ بہت ہی پرانے اور پراسرار ہیں۔

دنیا کی قدیم تہذیبوں میں سے ایران کی سرزمین کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ قدیم دور میں ایران کی سرزمین پر مختلف تہذیبوں اور مذاہب کا راج تھا۔ ایران کی تہذیب صرف معاشرت اور معیشت پر محدود تھی جہاں اپنی مرضی کا مذہبی راج تھا۔ یہ کہانی چار ہزار سال قبل زرتشی مذہب کی ہے جس نے ایرانی سلطنت پر راج کیا جو باقاعدہ اور باضابطہ مذہب تھا۔ جسے شاہنامہ، ارستا، بائبل اور تاریخ طبری جیسی مستند کتب سے اخذ کیا گیا تھا ایران کی سرزمین پر سب سے پہلے آریہ قبائل آباد ہوئے جس کی نسبت سے اس خطہ زمین کا نام ایران سے موسوم ہوا۔ ایران کے جنوب مغرب ایشیاء میں واقع جنوب میں خوخلیج فارس، مغرب میں عراق اور ترکی جبکہ مشرق میں پاکستان اور افغانستان واقع ہے۔

قدیم ایرانی تہذیب کو "ایلامی "تہذیب بھی کہتے ہیں۔ ایلامی تہذیب زرتشت مذہب کی اولین بنیاد تھی، ایلامی معاشرہ مختلف طبقات مشتمل تھا جس میں حکمران طبقہ، مذہبی پیشوا، کسان اور کاریگر تھے۔ اس دور کے دو اہم قبائل آریاں اور رومی تھا۔ آریاں سلطنت کو ساسانی سلطنت کہا جاتا تھا جو طیفیون میں واقع تھی۔ ناول میں اس سلطنت ساسانی کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

> "الیہ پانچویں صدی عیسوی کی بات ہے۔ یہ سلطنت آریاں کا شاہی محل تھا جس کی وسیع عریض دیواریں حریر ونیاں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔"(۲)

صدیوں پرانا اشتراکی نظام جس کی بنیاد مزدک نے رکھی اس کو مزدک کا دور بھی کہتے ہیں جو زرتشت مذہب کے بعد تصور کیا جاتا ہے مزدک کا دور وہ دور تھا جس نے پوری سلطنت کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا۔ مزدک کے عقیدے نے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کیا کہ کسان اور مزدور جو اتنی محنت کرتے ہیں اور وہ ہی مجبور اور بے بس ہیں اور اعلیٰ طبقے کے لوگ جو ان کے اگائے ہوئے اناج کو اپنی حویلیوں میں بھر لیتے اور ان میں سے غریب کسانوں کو ایک دانہ تک نہ دیتے۔ یہاں تک کہ ان کے بیوی بچے بھوک سے مر جاتے۔ ان پر بھی ظلم اور تشدد کیا جاتا ان کی آخری رسموں کو بھی ادا کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ ان کو سود پر قرض دیا جاتا۔ جن کی وصولی دوگنا زیادہ ہوتی۔ ان کی ہی اگائی گئی فصلوں پر لگان لگایا جاتا جس کی قی۔ وہ ساری فصل دے کر بھی ادا نہیں کر پاتے اور بدلے میں ان کی بیوی بچوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے۔ ناول میں ایک جگہ جہاں مزدک نے ان بے بس لوگوں کی مدد کی مقدس آتش دان سے چھٹا چوری کر کے غریب کسانوں کو دیا اور ساتھ ہی اس گناہ سے بچنے کے لئے غسل کرتا ہے، بھوک سے تڑپتے لوگوں کو ناول میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> "اچانک کشادہ راستے پر بھوکے کسان مردوں اور عورتوں کا غول نہ جانے کہاں سے نمودار ہو گیا ان کے بدن پر چیتھڑے لٹک رہے تھے، ہڈی سے چھڑا الگ تھا، آنکھوں کے نیچے بڑے بڑے سیاہ حلقے، خشک ہونٹ، وہ بھوت

Vol. 3, No.2 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

پریتوں کے غول کی طرح باہیں پھیلائے خوشامدار الفاظ دہراتے مزداد کی رتھ کی طرف لپک رہے تھے۔"خیرات خیرات، خیرات، پیشوا! ہم بھوکے ہیں، مالک ہم پیاسے ہیں! تیز رتھ کو اور تیز چلاؤ۔ یہاں سے دور نکل چلو۔"(۳)

ناول میں جہاں مزدک کے ذریعے انقلاب آتا ہے جہاں مارکسی نظریہ جنم لیتا ہے، جہاں مزدک لوگوں میں برابری کی خواہش پیدا کرتا ہے اور اس غلام معاشرے کے اندر نیا شعور پیدا کرتا ہے، ناول میں مزدک کے ذریعے حق اور باطل برابر کھڑا نظر آتا ہے۔ مزدک نے حق کے لیے آواز اٹھائی گئی مگر اس ہی کو خاموش کر دیا لیکن یہاں باطل کی دیواریں اونچی تھی جس نے حق کو قید کر دیا۔

محل کے اندر لوگ جنت کی زندگی جی رہے تھے لیکن محل کے باہر رہنے والے بھوک اور نابرابری کی چکی میں کیا رہے تھے۔ جہاں طبقاتی تقسیم عروج پر تھی۔ جہاں صرف مزدک برابری چاہتا تھا فکر اور مارکسی نظرے کا نمائندہ تھا جو درباری حکومتوں کے عہد میں سانس لیتا تھا۔ ناول کا اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"اے حاضرین دربار! اپنی چشم بصیرت کھولو تم میں سے ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے سے کم تر لوگوں پر نظر رکھے اور بلند تر رتبے والوں کو نہ دیکھے۔"(۴)

اس ناول میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ معاشرہ کسی طرح طبقاتی تقسیم میں بٹا ہوا تھا۔ لوگوں کو صرف اپنے سے کم تر کو دیکھنے کا حکم تھا یعنی جیسا تھا ویسا ہی رہے۔ دربار کی طرف سے یہ اخلاقی حکم تھا لیکن اگر اس حکم کو سطحی طور پر لیں تو یہ تاثر ملتا ہے کہ انسان کو ترقی اور بہتری کی خواہش نہیں رکھنی چاہئیں۔ یہ نصیحت حکم کے طور پر زبردستی سے عوام پر مسلط کی جاتی ہے جس میں حکمران طبقہ نہیں چاہتا تھا کہ کسان اور کاریگر بھی اپنی مرضی کی زندگی جئیں۔ باقاعدہ اس حکم کی نمائش محل میں کی جاتی ہے۔ جب ہر سال شہنشاہ کے دربار میں عرس ہوتا ہے اس میں ہر طبقے کے لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے پھر ایک ترتیب کے ساتھ اس حکم کو اور بھی مضبوط بنایا جاتا ہے۔ ان کے سوچنے اور دیکھنے پر بھی مکمل پابندی لگائی جاتی ہے۔ اس نمائش میں سب سے پہلے سلطنت کے ممتاز ترین خاندان پھر مملکت کے بڑے رئیسوں اور جاگیرداروں کی کرسیاں، وزرگان (امراء) ان کے بعد مدیران مملکت کے روحانی پیشوا پھر آزادان اس کے بعد زرعی زمینوں کے مالک تھے۔

کاشکاروں سے لگان وصول کرنے والے منصب داروں کی قطاریں کرسیوں کے بعد قانوں پر مودب بیٹھے تھے جن میں کسان، کاریگر دوکان دار و حراست خانوں اور عقوبت خانوں سے مجرم بھی موجود تھے۔ اس ناول میں بالا طبقہ اور زریں طبقہ ایک خوف ناک المیہ ہے۔ بالا طبقہ کسی بھی صورت میں اپنا مقام زریل طبقہ کو نہیں دینا چاہتا۔ اس طبقاتی تقسیم کو بیان کرنے کے لئے فہمیدہ ریاض نے تخیل کو حقیقت میں پرو دیا جس میں طاقت اور کمزور ناول میں مکمل عکس پیش کرتے ہیں۔ یہ طبقے ہمارے دور کی بھی عکاسی کرتے ہیں یہ طبقاتی نظام فرد کی سوچ، رویوں اور تقدیر کو متعین کرتا ہے جس میں کمزور فرد کبھی بھی طاقت کا تصور نہیں کرتا اور بااختیار فرد کبھی بھوک کا احساس محسوس نہیں کرتا۔ اعلیٰ طبقے کے کھانوں کی لذت اور خوشبو ہمیشہ ان کو سیر رکھتی ہے۔ جہاں شاہی کھانوں کے دستر خوان ہمیشہ کچے رہتے ہیں اور ناول میں یہ ہی احساس مزدک عوام کو محسوس کرواتا ہے جس سے انقلاب آتا ہے۔

"میں مملکت ساسیانیہ کا کہناہ جو اس سرزمین پر مکمل اختبار اور قوت رکھتا ہوں آپ کو اجازت دیتا ہوں کر امراء کے گوداموں سے ابھی اور اسی وقت اپنے اور اپنے معصوم بچوں کے لئے خوراک لے ہیں۔"(۵)

فہمیدہ ریاض کے تخیل نے پورے ناول کی فضاء کو ایک ہی وقت میں بدل دیا۔ بادشاہ کے چند کلمات نے لوگوں کی سوچ اور خواہش کو ظاہر کر دیا۔ جو لوگ کب سے اپنی خواہشات کے لئے ترس رہے تھے انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ یہ لوٹ مار امراء کی تمام حویلیوں میں کئی دن تک جاری رہی جس میں عورتوں کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ محل جو شیشے کی طرح چمکتا نظر آتا تھا وہاں مرد عورتوں اور بچوں کے غول تھے اگر کوئی جگہ خالی نظر آتی تو وہاں بھی اناج ہی نظر آنا جو لوگوں کے برتنوں اور بوسیدہ چادروں سے کرتا تھا۔ وہاں لوگوں میں ہوس کے جذبات بھی رونما ہوئے، فہمیدہ ریاض لکھتی ہیں:

"ایک بڑھئی نے سیڑھیوں پر نظر ڈالی اور لپکتے ہوئے آگے بڑھ کر روزمہر کی بیٹی کی کلائی پکڑی۔ "اسے میں لوں گا"، اس نے بھرائی آواز میں کہا۔ یہ میری زوج بنے گی۔"(۲)

اس تہذیب میں عورت کا وجود نہ تھا، عورت کو تحفے میں دینا یا کسی شرط کا بدلہ بھی عورت کے ذریعے کیا جاتا۔ قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں بھی عورتوں کو قبضے میں دیا جاتا۔ عورت کے کئی شوہر عام بات تھی، ادلے بدلے میں بھی عورت کو ہی پیش کیا جاتا۔ یہ ایسی تہذیب تھی جہاں عورت کا عورت ہونا جرم تھا۔ اس احساس کو

فہمیدہ ریاض نے زندہ کیا ہے۔ کیونکہ ہر دور میں عورت ہی کو ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جس میں فہمیدہ ریاض کا یہ پیغام تھا کہ عورت کے جذبات اور آواز ہی کو کیوں دبایا جاتا ہے؟ کبھی عورت کو وہ مقام نہیں دیا جاتا جس کی وہ حق دار ہے۔

"از روئے نسب!" وہ سوچ رہا تھا جس طرح عامیوں کی عورتوں کو دن رات رؤسا اٹھا کر لے جاتے ہیں تو کتنے ہی شہزادگان اور وزرگان تو کسانوں کی جھونپڑیوں میں کھیل رہے ہیں اور ان کی عورتیں۔۔۔۔۔۔کسانوں کے کسے کسائے جسموں پر فریفتہ رہتی ہیں۔ کیا کوئی سچ سچ بتا سکتا ہے کہ کتنے کسانوں کے بیجوں کا پھل ان محلات کے باغوں میں رس پکڑ رہا ہے۔"(۷)

ناول میں مزدک یعنی خدا کے حکم کا علمبردار جو خود کو "اہورامزدا" کہتا تھا، اس نے آسمانی کتاب اوستا کو زبانی حفظ کیا تھا۔ جس کا نظریہ "برابری" کا تھا۔ لیکن اس سے پہلے بھی ایسے ہیں نظریے والے کو باغی قرار دے کر جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی سچ کا پرچم پرانے کی کوشش کرتا ہے تو کو باغی یا فتنہ تصور کیا جاتا ہے۔ ایسے انسانوں کو یا تو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے یا پھر فتنہ کا مقدمہ کر کے قید کر دیا جاتا ہے۔ یہ ماضی اور حال دونوں کا تجزیہ ہے جس کو فہمیدہ فہم ریاض نے اپنے الفاظ کا جامہ پہنا کر ناول کی صورت میں پیش کیا ہے۔ جب امراء یہ سب دیکھتے ہیں تو اس شہنشاہ کو ہی اپنی سازش کا حصہ بنا کر قتل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو سپاہی سیاوش کو خبر ملتی ہے جس کے بعد وہ روپ بدل کر بادشاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ ایسے مناظر نے فہمیدہ ریاض کی عقل اور شعور کے ایسے گہرے اثرات کا ناول پر چھوڑے ہیں جن کو قاری اپنے تصور کی فہم میں دیکھتا ہے۔

اس تہذیب میں ناپاک عورت کے کپڑوں کو بھی دیکھنا گناہ تھا۔ ناپاک دنوں میں عورتوں کو قید کیا جاتا تھا۔ یہ دور جاہلیت کے عقیدے تھے جس نے عورت جیسی ہستی کو اپنے رسم و رواج کے تابع کیا تھا۔ ناول میں ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں عورت جیسی ہستی ہی اپنی بہادری کی مثال قائم کرتی ہے۔ وہ ملکہ ہی تھی جس نے شبشان کو قلعہ فراموشی سے آزاد کروایا اور پناہ کے لئے رومی قبیلے سے مدد طلب کی۔ ناول میں کئی ایسے مقام ہیں جہاں عورت اپنی مرضی سے اپنے جذبات کی قربانی دیتی ہے۔

ایسے واقعات لکھ کر ناول نگار نے عورت کی اہمیت کو بھی واضح کیا ہے جہاں عورت اپنے شوہر کے تخت و تاج کے لئے اپنے شوہر کی شادی دوسری عورت سے کرنے میں راضی ہو جاتی ہے۔ جب وقت پر بدلتا ہے تو انسان کے مقدر میں آنے والی تبدیلیاں بھی لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دی جاتی ہیں۔ مزدک کو اس کے نظریہ کی سزا میں قتل کیا جاتا ہے جبکہ کے باقی مزدکیوں کو مزدک ہونے کی سزا میں پھانسی دے دی جاتی ہے۔

ناول نگار نے تخلیقات کے ذریعے ایک سلطنت کے عروج اور دوسری سلطنت کے زوال کو بیان کیا ہے۔ اب ناول میں ایسے مقام آتے ہیں جس میں اپنے ہی باپ کے دشمن سے دوستی اور دوستی سے دشمنی کی جاتی ہے۔ کیونکہ مزدک کے نظریے کو غلط سمجھا جاتا ہے اور پرانی روایات کو دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے۔

"شب بخیر میرے نوشیروان ۔۔۔۔ اے روح لافانی عدل سے حکومت کرنا۔ نین دخت نے بیٹے کے دونوں رخساروں پر بوسہ دیا، اس کمرے میں شہزادہ خسرو گیا لیکن وہاں سے نوشیروان عادل باہر آیا۔"(۸)

اس تہذیب و تمدن کی داستان میں مذہب کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ ناول میں ایسے مقام بھی ہیں جہاں مذہب کی بنیاد پر بھی قتل کئے گئے، لوگوں کے اندر خوف پیدا کیا گیا۔

"یہ ہیں تمہارے دین کے سب پیشوا۔ دیکھو الٹے ہو کر وہ کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔ ہم نے تمہارے لیے ان کا جنگل اگایا ہے۔ مزدک نے اپنی گردن کی پشت پر خنجر کی تیز دھار محسوس کی۔۔۔۔۔ مزدک، مزدک، مزدک۔"(۹)

یہ قتل مزدک کا نہیں بلکہ اس کے نظریے کا قتل تھا۔ جس کی سزا کئی بے گناہ لوگوں کو دی گئی اور جہاں مزدک مذہب رکھنے والوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا تھا تاکہ آئندہ کوئی قانون کو توڑنے کی ہمت نہ کر سکے۔

"نوشیروان نے تھرتھرائی ہوئی لمبی سانس بھری۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر اس نے وزرگان سے کہا اب آپ کا کام شروع ہوا۔ کل سے مزدک کا نام سلطنت سے مٹانا شروع کیجیے۔ اس کا اور اس مذموم خیالات کا کہیں ذکر نہ ہو۔ اس کو نہیں بلکہ اس کی یاد کو قلعہ فراموشی کے سپرد کرنا ہے، ہوشیار خبردار۔"(۱۰)

فہمیدہ ریاض نے ناول میں پوری تہذیب کو بیان کیا ہے جہاں واقعات حقیقت کا رنگ پہن کر آتے جاتے نظر آتے ہیں اور لوگوں کو ایسے معاشرے کا تصور دلایا جس سے آج کے دور کے لوگ بے خبر تھے۔ ایسی تہذیب جو ہمیشہ اپنے نظریے کے ساتھ زندہ رہے گی۔ عبیرہ فاطمہ بیان کرتی ہیں کہ:

"مصنفہ کی ایمانداری اور تحقیق اور مطالعہ کی داد دی جا سکتی ہے کہ مصنفہ نے اس ناول میں اپنے تخیل اور ذہنی اپج کا بھی اظہار کرنے سے گریز نہیں کیا۔"(۱۱)

مصنف عابدہ رحمان قلعہ فراموشی کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتی ہیں:

"فہمیدہ ریاض خوبصورت شاعری کی حسین شاعرہ اپنی شاعری کے ساتھ ساتھ ہمیں قلعہ فراموشی بھی دے گئیں جو ایک رومان پرور تاریخ ہے۔"(۱۲)

فہمیدہ ریاض کا ناول ایک شاہکار تخلیق ہے جو رہتی دنیا تک تاریخ کا حصہ رہے گا۔ اس میں ماضی کی تمام یادیں شامل ہیں جن کو مصنفہ نے اپنی محنت اور کاوش سے دریافت کیا تھا۔ یہ ایک ناول نہیں اس میں پوری تاریخ اپنے وجود کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گی۔

حوالہ جات

1. فہمیدہ ریاض، "قلعہ فراموشی"، آکسفورڈ پرنٹنگ پریس، کراچی، جنوری ۲۰۱۸، ص ا
2. ایضاً، ص 1
3. ایضاً، ص ۴
4. ایضاً، ص 1
5. ایضاً، ص ۵۲، ۵۳
6. ایضاً، ص ۵۸
7. ایضاً، ص ۳
8. ایضاً، ص ۱۴۶
9. ایضاً، ص ۱۵۹
10. ایضاً، ص ۱۶۰
11. عبیرہ فاطمہ، قلعہ فراموشی، تنقیدہ جائزہ، اردو مرکز، خانیوال، اگست ۲۰۲۰ء
12. عابدہ رحمان، قلعہ فراموشی، جائزہ، ماہتاک سنگت، کوئٹہ